حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برصغیر کی اسلامی تاریخ[1]

سید جلال الدین عمری

ہمارے اس برصغیر کو اپنے رقبہ، آبادی اور بعض دوسرے پہلوؤں سے برعظیم کہنا شاید غلط نہ ہوگا۔ اس میں بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش کا اسلام سے اتنا گہرا اور مضبوط رشتہ ہے اور ان کے ایک ایک خطہ پر اس کے اتنے وسیع اور دور رس اثرات ہیں کہ ان سے صرف نظر کر کے برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس برصغیر نے اسلام کا جس بڑے پیمانہ پر استقبال کیا ہے اور اس کے ماننے والوں نے جو وسیع اور متنوع خدمات انجام دی ہیں وہ اسلامی تاریخ کا اتنا اہم اور نمایاں حصہ بن چکی ہیں کہ ان کو الگ کر دیا جائے تو اسلامی تاریخ بھی ادھوری اور نامکمل رہ جائے گی۔ اس طرح برصغیر کی اسلامی تاریخ کے مطالعہ کے بغیر صرف یہی نہیں کہ اس کی تاریخ کا حق ادا نہیں ہوسکتا بلکہ خود اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی ناقص اور نامکمل رہ جائے گا۔

برصغیر کی اسلامی تاریخ اپنے گوناگوں پہلو رکھتی ہے اور مختلف زاویوں سے اس کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

صحیح رخ سے مطالعہ

سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ اس کا صحیح رخ سے مطالعہ کیا جائے۔ غلط رخ سے مطالعہ ہوگا تو نتائج بھی غلط ہی اخذ کئے جائیں گے۔ آئیے ذرا دیکھیں کہ مطالعہ کا غلط رخ آدمی

---

[1] اس وقت برصغیر کے تین ممالک ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش پیش نظر ہیں۔

کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتا ہے۔

برصغیر 'اسلامی علوم' کا ایک بڑا مرکز رہا ہے۔ 'اسلامی علوم' میں معقولات اور منقولات دونوں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ اور ادب ہی پر نہیں منطق، فلسفہ، ریاضی اور طب وغیرہ پر جو کام ہوا اس نے ان علوم کو ایک عرصہ تک، جب کہ وہ اسلامی ممالک میں رو بہ زوال تھے زندہ رکھا اور اسے آگے بڑھایا۔ اس سلسلہ میں یہاں ایسی علمی خدمات انجام پائیں کہ اسلامی دنیا انھیں نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہاں جو علمی و فکری کوششیں ہوئیں ان میں سے بعض کتاب و سنت کے مطابق تھیں تو بعض پر ہندی اور عجمی فلسفہ کا اثر تھا۔ جب ان دونوں کے درمیان فرق نہیں کیا جاتا تو غلط سے غلط اور باطل سے باطل خیالات کو بھی جن کی اسلام صراحت کے ساتھ تردید کرتا ہے 'اسلامی فلسفہ' قرار دے دیا جاتا ہے اور ان کے علم بردار 'اسلامی فلاسفہ' اور حکماء تصور کئے جانے لگتے ہیں۔ اس لئے اس پورے علمی کام کا اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ لینا چاہئے کہ اس میں خالص اسلامی رنگ کس حد تک تھا اور کہاں یہ رنگ دھندلا پڑ گیا یا ختم ہو گیا۔ اس کے بغیر اس کی اسلامی قدر و قیمت متعین نہیں ہو سکتی۔

جس طرح اسلام کے ماننے والوں سے فکری لغزشیں ہو سکتی ہیں اسی طرح ان سے سیرت و کردار اور عمل کی غلطیوں کا بھی امکان ہے۔ اسلام نے عبادات اور اخلاق سے لے کر معاشرت، تہذیب اور سیاست تک پوری زندگی کو ایک خاص رخ عطا کیا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کے ماننے والے اسی رخ پر چلیں۔ ان کی روش اس کے خلاف بھی ہو سکتی ہے۔ ان کے جس رویہ کی اسلام تائید کرے بلاشبہ وہ تو اسلامی ہوگا لیکن جو رویہ اسلام سے ہم آہنگ نہ ہو اور جسے اسلامی تعلیمات سند جواز نہ دے رہی ہوں اسے کسی طرح اسلام سے جوڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن کبھی کبھی اسلام اور مسلمانوں کے عمل کو ایک سمجھ لیا جاتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مسلمانوں کا عمل آگے آگے اور اسلام پیچھے پیچھے چلنے لگتا ہے۔ یہ غلط انداز فکر ایک ایسے شخص کو عابد و زاہد بلکہ ولی قرار دے سکتا ہے جو عبادات کو سرے سے چھوڑ کر احوال و مقامات طے کر رہا ہو یا عبادت کے لئے جنگلوں اور غاروں میں جا بیٹھا ہو۔ حالانکہ نہ ترک عبادت اسلام

ہے اور نہ گوشہ گیری اور رہبانیت۔ وہ دونوں کے خلاف ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ رقص و موسیقی کو اسلامی تہذیب، کی حیثیت دے دی جاتی ہے اور خالص غیر اسلامی رسوم و رواج کو بھی 'اسلامی معاشرت' کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ جو فرد بھی اسلام کا نام لے وہ سیاسی، سماجی اور معاشرتی پہلو سے جتنا ممتاز ہے اسلام کا اتنا ہی بڑا نمائندہ بن جاتا ہے اور اس کے غلط فیصلے اور غلط اقدامات بآسانی اسلام کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بڑی ناانصافی اور علمی بد دیانتی ہے کہ جن اعمال کے مٹانے کے لئے اسلام آیا ہے اور جن سے برأت کا وہ بار بار اعلان کرتا ہے انھیں اسلامی اعمال کی حیثیت سے پیش کیا جائے اور جو لوگ ان کا ارتکاب کریں وہ اسلام کے پیرو سمجھے جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو عمل اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق اور ان کے قائم کردہ حدود میں ہوگا وہی اسلامی کہلائے گا اور اسلامی تاریخ کا جزء ہوگا اور جو ان حدود سے خارج ہوگا' اسے دنیا چاہے کوئی عظیم کارنامہ ہی کیوں نہ قرار دے اسے کسی طرح اسلامی نہیں کہا جا سکتا۔

اعتراضات اور غلط فہمیوں کا ازالہ

برصغیر کی اسلامی تاریخ کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے اس پر بعض شدید اعتراضات کئے جاتے ہیں انھیں دور ہونا چاہئے۔ اس کی وضاحت دو ایک مثالوں سے ہو سکتی ہے۔

ا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کو یہاں کی بہت بڑی آبادی نے قبول کیا۔ بعض بعض خطے پورے کے پورے اس کے حلقہ بگوش ہو گئے اور جہاں یہ صورت پیدا نہیں ہوئی وہاں کی بھی قابل لحاظ آبادی نے اسے اپنا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس طرح اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے نہیں پھیلا بلکہ مسلمانوں، خاص طور پر ان کے حکمرانوں کے جور و ظلم سے ڈر کر اسے اختیار کر لیا گیا۔ یہاں کی آبادی نے برضا و رغبت اسلام کو سینہ سے نہیں لگایا بلکہ جبر و تشدد کے ذریعہ اسے ان پر مسلط کیا گیا۔ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر اس قدر ظلم کیا کہ ان کے لئے اپنے مذہب پر باقی رہنا مشکل ہو گیا۔ اس کے باوجود جنھوں نے ہمت کی ان کے مذہب اور

دھرم کو تحریص اور لالچ کے ذریعہ خرید لیا گیا۔ یہ اعتراض کئی وجوہ سے سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ اس بات کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے جبر و تشدد کے ذریعہ اسلام کے قبول کرنے پر کسی کو مجبور کیا ہو۔

دوسری بات یہ کہ اس اعتراض کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اسلام کو صرف ان خطوں میں پھیلنا چاہئیے جہاں مسلمان برسر اقتدار تھے اور ان علاقوں کے لوگوں کو اسے قبول نہیں کرنا چاہئے جہاں مسلمانوں کا اقتدار نہیں تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح شمالی بھارت نے اسے قبول کیا جہاں کہ مسلمانوں کی حکومت تھی اسی طرح کیرلا اور مشرقی ساحل کے علاقوں میں بھی وہ پھیلا۔ پھر ایک خاص بات یہ ہے کہ جو علاقے مسلم مرکزی حکومت سے جتنی دور تھے جیسے مغرب میں پنجاب اور مشرق میں بنگال اور آسام وہاں اسے اتنا ہی زیادہ فروغ ملا۔

تیسری بات یہ کہ یہ کہنا بھی سراسر زیادتی ہے کہ یہاں کے باشندوں کے لئے اسلام میں کوئی کشش نہیں تھی۔ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو اس وقت کے برصغیر کے حالات اور اسلام دونوں ہی سے ناواقف ہو۔ اسلام نے توحید، آخرت، مساوات، تقویٰ و طہارت اور پاکیزہ اخلاق و اطوار کا جو تصور پیش کیا اسے یہاں کی سسکتی، بلکتی اور طبقاتی کشمکش اور رسوم و رواج کی ماری ہوئی آبادی نے اپنے لئے آب حیات سمجھا۔ اسے اسلام کے سایۂ عاطفت میں وہ سکون اور امن و امان ملا جس کی اسے تلاش تھی اور جس کے بغیر زندگی اس کے لئے وبال بنی ہوئی تھی۔

چوتھی بات یہ کہ اس اعتراض میں یہاں کے عالموں، صوفیوں، تاجروں اور خدا کے ان بہت سے نیک بندوں کی ان کوششوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جو انھوں نے اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں انجام دیں۔ ان کے پاس نہ تو سیاسی طاقت تھی اور نہ تحریص اور لالچ کا سامان۔ البتہ ان کی زندگیاں اسلام کا نمونہ تھیں ان میں وہ مقناطیسیت تھی کہ جب وہ اسلام کو لے کر برصغیر کے ایک ایک گوشہ میں پہونچے اور لوگوں نے ان کے اندر تقویٰ، اخلاق، ہمدردی اور محبت کو دیکھا تو اس کی طرف بے اختیار کھنچ پڑے۔

پانچویں اور آخری بات یہ کہ انسان کو اپنا مذہب، جان، مال اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتا ہے اس کے لئے وہ ہر طرح کی قربانیاں دے سکتا ہے اور دیتا ہے۔ اگر ہم کسی فرد

کے بارے میں تھوڑی دیر کے لیئے یہ تصور کر بھی لیں کہ اس نے خوف یا لالچ کی بنا پر اپنا دھرم چھوڑ دیا تو برصغیر کی اتنی بڑی آبادی کے بارے میں یہ سوچ نہیں سکتے کہ اس نے کسی مجبوری میں اس طرح کا اقدام کیا ہوگا۔ یہ بات بھی بعید از قیاس ہے کہ کسی قوم کے مذہب کو زبردستی بدلا جائے اور وہ اس معاملہ میں کسی قسم کی مزاحمت اور کشمکش نہ کرے۔ پھر اس سے بھی زیادہ ناممکن بات یہ ہے کہ جو لوگ اسی طرح اپنا دھرم بدلیں وہ اس نئے دین کے مخلص اور وفادار بن جائیں۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر سے ایسے مخلص اور وفادار مسلمان ابھرے اور انھوں نے اسلام کی خاطر اتنی زبردست قربانیاں دیں کہ اسلامی تاریخ ان پر فخر کر سکتی ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مسلمان غیر ملکی ہیں۔ انھوں نے اسے اپنا وطن نہیں سمجھا۔ چنانچہ ابھی تک وطن سے ان کے تعلق کو چیلنج کیا جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ اگر مسلمانوں کو اس بنیاد پر غیر ملکی کہا جائے کہ وہ عرب یا ایران اور افغانستان سے آئے تھے تو ہندوستان کی آرین نسل کو بھی غیر ملکی ہی کہا جائے گا جو کہ وسط ایشیا سے آئے اور یہاں کی دراوڑین آبادی کو جنوب کی طرف دھکیل کر خود آباد ہو گئے۔ لیکن اگر غیر ملکی اس معنی میں کہا جائے کہ مسلمانوں نے اس ملک کو اپنا وطن نہیں سمجھا اور دوسرے کسی ملک سے ان کی ذہنی وابستگی رہی تو یہ بھی سراسر غلط ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے برصغیر کو اس طرح اپنا وطن بنایا کہ جن علاقوں سے وہ آئے تھے ان کی یاد بھی شاید ان کے ذہنوں سے نکل گئی اور بالآخر یہیں کی خاک کا پیوند ہو گئے۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ مسلمان حملہ آور ہیں۔ انھوں نے برصغیر کی دولت و ثروت کو لوٹنے کے لئے اس پر حملے کئے، یہاں کی آبادی کا استحصال کیا اور اسے تاراج اور برباد کیا۔ حالانکہ اگر مسلمانوں کا مقصد لوٹ مار ہوتا تو انھیں یہاں کی دولت ان ممالک کو منتقل کرنی چاہئے تھی جہاں سے وہ آئے تھے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ انھوں نے یہاں جو کچھ حاصل کیا اسے اسی سرزمین کی فلاح و بہبود پر صرف کیا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی طرح یہاں کی دولت سمیٹ کر نہیں لے گئے اور اسے برباد کر کے کسی دوسرے ملک کو ترقی نہیں دی۔

مسلمان حکمرانوں سے شکایت کی حقیقت

اسی ذیل میں مسلمانوں کے دور حکومت سے اور خاص طور پر مسلم حکمرانوں سے یہ

شکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے اپنے مذہب کے مخالفین کے ساتھ ظلم و زیادتی اور ناانصافی کی۔ اس سلسلہ میں بعض بڑی بھیانک کہانیاں بیان کی جاتی ہیں اور بعض اوقات اسے اسلام سے بھی جوڑ دیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ یہاں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اسلامی نقطۂ نظر سے بہت سی خامیاں تھیں۔ یہاں کا سیاسی نظام کبھی خالص اسلامی نظام نہیں تھا۔ اس لئے اس کی کسی بھی غلطی کو اسلام کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ برصغیر کے مسلم حکم راں اسلام کے مکمل نمائندے نہیں تھے اور انھوں نے کبھی اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ ان میں اچھے برے ہر طرح کے حکم راں تھے۔ یہاں کے غیر مسلم حکم رانوں سے بھی ان کی جنگیں ہوئیں اور وہ آپس میں بھی برسرپیکار رہے۔ انھوں نے اپنے سیاسی مصالح کے تحت ایسے اقدامات بھی کئے جنھیں ہم کسی طرح اسلامی نہیں کہہ سکتے۔

تیسری بات یہ کہ مسلم حکم رانوں کے ظلم و زیادتی کی جو داستانیں بیان کی جاتی ہیں ان کا تعلق زیادہ تر ان کے سیاسی حریفوں سے ہے اس سے قطع نظر کہ وہ مسلمان تھے یا غیر مسلم۔ ورنہ انھوں نے دیگر مذاہب کے ساتھ جو رواداری برتی اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا اور انھیں جس طرح دولت اور جاگیروں سے نوازا اس کی مثالیں مشکل ہی سے کسی دوسری جگہ مل سکتی ہیں۔ اگر مسلم حکم رانوں کی سیاسی غلطیوں کو اسلام کی طرف زبردستی منسوب کیا جاسکتا ہے تو ہمیں فراخ دلی سے یہ بھی اعتراف کرنا چاہئے اور یہ اعتراف ایک حقیقت کا اعتراف ہوگا کہ ان میں جو خوبیاں تھیں وہ اسلام ہی کی بدولت تھیں۔ اسلام ان تمام خوبیوں کی ترغیب اور تعلیم دیتا ہے جو انسان کے لئے سربلندی اور افتخار کا ذریعہ ہیں اور ان تمام برائیوں سے روکتا ہے جو اس کے لئے باعثِ ننگ ہوسکتی ہیں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلم حکم رانوں میں جو خوبیاں تھیں وہ اسلام ہی نے پیدا کیں اور ان میں جو کمزوریاں تھیں وہ اسلام سے انحراف کا نتیجہ تھیں۔

چوتھی بات یہ کہ جن حکم رانوں کی 'زیادتیوں' کا اس قدر شکوہ یا چرچا کیا جاتا ہے اور جن کی بنیاد پر مسلمانوں ہی کو نہیں اسلام کو بھی لعنت ملامت کا مستحق گردانا جاتا ہے۔ ان کی وجہ سے اس ملک کو جو عروج اور ترقی نصیب ہوئی اس سے اس ملک کی تاریخ خالی نظر آتی ہے۔ انھوں نے

یہاں کی زراعت، صنعت، تجارت اور معیشت کو غیر معمولی ترقی دی۔ زبردست رفاہی خدمات انجام دیں، مدارس، شفا خانے، سڑکیں، قلعے اور مسافر خانے تعمیر کئے۔ اس کے ساتھ اس پورے علاقہ کو پہلی مرتبہ سیاسی طور پر متحد و منظم کرنے کی کوشش کی اور اسے صاف ستھری تہذیب اور اعلیٰ تمدن عطا کیا۔ اس طرح مختلف پہلوؤں سے اس ملک کو آگے بڑھایا اور عروج پر پہونچایا۔ افسوس کہ مسلم حکمرانوں کی زیادتیوں کا ذکر کرنے والے ان احسانات کو بالکل بھول جاتے ہیں بلکہ ان کا تذکرہ بھی انھیں بار گزرتا ہے۔

بہر حال برصغیر کی مسلم تاریخ کا یہ وہ پہلو ہے جس پر مزید تحقیق اور وضاحت کی ضرورت ہے۔

امت کے داخلی مسائل اور ان کے حل کی کوششیں

پوری دنیا کی تقریباً ایک چوتھائی مسلم آبادی برصغیر سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بے شمار تعلیمی، معاشی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی مسائل رہے ہیں۔ ان مسائل کو اس نے ہمیشہ اپنے داخلی مسائل سمجھا اور انھیں حل کرنے کی اپنی سی کوشش بھی کرتی رہی ہے۔ یہاں بعض کوششوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

۱۔ اسلام نے زندگی کا ایک خاص تصور دیا ہے، جو اپنے ماننے والوں کو انفرادیت عطا کرتا ہے۔ برصغیر کے مسلمان جب کبھی کسی غیر اسلامی فکر و فلسفہ سے متاثر ہوئے یا ان کی تہذیب، معاشرت اور طریقوں میں غیر اسلامی عناصر داخل ہوئے تو اس کی اصلاح کی بھی مسلسل کوششیں ہوتی رہیں۔

۲۔ یہاں ہر دور میں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور ذہنی و فکری نشو و نما کے لئے مکاتب و مدارس اور علمی و تحقیقی شعبے وجود میں آئے، سماجی فلاح و بہبود کے بہت سے کام ہوئے، یتیم خانے، اسپتال، مسافر خانے اور اسی نوعیت کے رفاہی ادارے قائم ہوئے، صنعت و حرفت کے مراکز تشکیل پائے۔ یہ سب کام اتنے بڑے پیمانہ پر ہوتے رہے ہیں کہ برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کا نمایاں حصہ بن چکے ہیں۔

۳۔ برصغیر میں دعوت و تبلیغ کا کام بھی ہوتا رہا اور اس بات کی بھی کوشش ہوتی رہی کہ اللہ کا دین غالب آئے اور پوری زندگی اس کے تابع ہو جائے۔ اس کے لئے انفرادی طور پر بھی جد و جہد

کی گئی، انجمنیں، ادارے اور تنظیمیں بھی وجود میں آئیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کے اندر ہونے والے ان تمام کاموں کا خالص اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ یہ ٹھیک اسلامی خطوط پر ہو رہے یا ان میں کہیں فکری و عملی انحراف بھی پایا گیا۔ پھر یہ کہ یہ سارے کام کن حالات میں انجام دیئے گئے، ان حالات میں وہ کس حد تک موزوں تھے اور ان کے کیا نتائج نکلے۔ اگر مطلوبہ نتائج نہیں نکل سکے تو اس کے کیا اسباب تھے؟ یہ جائزہ اس انداز سے ہونا چاہئے کہ وہ مستقبل کے لئے ایک نیا لائحۂ عمل بن سکے۔

اس میں شک نہیں کہ برصغیر کی اسلامی تاریخ کے بعض پہلوؤں پر بڑا اچھا کام ہوا ہے، جو اپنی تلاش اور محنت کے لحاظ سے قابل قدر ہے لیکن اس پر بالعموم غیر اسلامی نقطۂ نظر غالب ہے۔ جن لوگوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ کام کیا ہے ان کے اندر ماضی کا تنقیدی جائزہ لینے کی ہمت اور صلاحیت کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ برصغیر کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ ابھی اس پہلو سے باقی ہے کہ اسلام جس فکر و عمل کو حق کہے اسے حق کہا جائے اور جس کو باطل کہے اسے باطل کہا جائے، غلط فہمیوں کو دور کیا جائے، اعتراضات کا جواب دیا جائے اس کے ساتھ کسی حقیقی کوتاہی کو تسلیم کرنے میں تامل بھی نہ کیا جائے۔

تصانیف مولانا صدرالدین اصلاحی		تصانیف مولانا جلال الدین عمری	
اسلام — ایک نظر میں	۱۵/-	انسان اور اس کے مسائل	۳/-
دین کا قرآنی تصور	۸/-	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۲/-
فریضۂ اقامت دین	۸/-	معروف و منکر	۶/۵۰
اسلام اور اجتماعیت	۵/-	اسلام کی دعوت	۸/-
اساس دین کی تعمیر	۱۲/-	دولت میں خدا کا حق	-/۷۰

پتہ

مرکزی مکتبہ اسلامی - دہلی ۶